ایک گوہر نایاب انسان حضرت مولانا عطاء الرحمٰن کی المناک جدائی

حالات کے جبر کا کیا کہئیے کہ ادارتی صفحات کا مسلسل پانچواں صفحہ علمائے حق کی جدائی میں خونِ دل سے لکھ رہا ہوں۔ گزشتہ ایک ماہ سے مسلسل علمی و دینی حلقے پے در پے حوادث کے جام پئے جا رہے ہیں، ایک کے بعد دوسرا حادثہ فاجعہ سر پر تیار کھڑا ہے۔ سمجھ نہیں آ رہی کہ قیامت سے پہلے کیوں قیامت کی شروعات ہوگئیں ہیں؟ ۲۰ راپریل ۲۰۱۲ء بھوجا ایئرلائن کے بدقسمت جہاز میں جہاں درجنوں بے گناہ پاکستانی شہید ہوئے وہیں ایک بہت قیمتی اور پیارے انسان حضرت مولانا عطاء الرحمٰنؒ اپنی ہمشیرہ اور اپنے وفادار رفیق سفر مولانا عرفان کے ہمراہ بھی شہادت کی اوجِ ثریا کو سر کر گئے، یوں تو حضرت مولانا عطاء الرحمٰنؒ مادر علمی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوریؒ ٹاؤن کے ایک استاد اور ناظم تعلیمات ہی تھے لیکن اس میں شک وشبہ نہیں کہ آپکے اچانک بچھڑنے سے جامعہ بنوری ٹاؤن کی کمر اگر ٹوٹی نہیں تو جھکی ضرور ہے۔ حضرت مولانا عطاء الرحمٰنؒ بنوری ٹاؤن کے مہتمم نہ ہوتے ہوئے بھی اس کے روحِ رواں تھے۔ جامعہ کے ہر مہتمم اور ہر طالبعلم اور استاد کیلئے مولانا کی سحر انگیز شخصیت فرض کی سی درجے کی حیثیت رکھتے تھے۔ بنوری ٹاؤن میں زمانہ طالبعلمی کے دوران مولانا عطاء الرحمٰن میرے استاد تو نہ تھے لیکن ایک مہربان مربی، بہترین مشفق دوست اور متعدد دور دراز غیر ملکی اسفار کے رفیق سفر رہے۔ پھر انسان کی باطنی خوبیوں اور صلاحیتوں سے اصل آگہی کسی سے معاملے اور سفر میں رفاقت سے مکمل آشکارا ہوتی ہے تو اس لحاظ سے یہ میری خوش قسمتی تھی کہ ان سے تقریباً ہر سال کچھ دنوں کی رفاقت سفر کے ذریعے حاصل ہو جاتی۔ وہ ایک بہترین انسان اور رفیق سفر اس معاملے میں بھی ثابت ہوئے۔ سفر میں ساتھی کی ایک ایک چیز کا خیال رکھنا اور ہر ممکن سہولت فراہم کرنا ان کا خاصہ تھا۔ ان کی اچانک شہادت نے وہ ساری مجلسیں، محفلیں اور طویل ہوائی اسفار میں ان کی خوبصورت اور میٹھی میٹھی علمی، ادبی مجلسیں یاد کرادیں، آپ جہاز میں اکثر برادرم عتیق الرحمٰن اور میرے ساتھ والی سیٹ پر تشریف رکھتے۔ حسیں مسکراہٹ سے بھرپور پروقار خوبصورت چہرہ اور انکی لعل وگہر سے مرصع گفتگو کا ایک ایک لفظ یادداشت کے خانوں سے سینے میں اُتر اُتر کر قلبِ حزیں میں نشتر لگا رہا ہے۔

تھی وہ اک شخص کے تصور سے اب وہ رعنائی خیال کہاں

اللہ نے ان کو علم کے ساتھ ادب کا ایک خاص ذوق بھی عطا فرمایا تھا۔ دورانِ درس بھی سینکڑوں عربی، اردو اشعار نوک زباں ہوتے اور پھر میرے ساتھ تو بات بات پر اشعار کا تبادلہ کرتے۔ راقم کی ''الحق'' کی خام تحریروں و مضامین پر تبصرہ فرماتے پھر خصوصاً میرے سفرنامہ یورپ ''ذوقِ پرواز'' کے اکثر اقتباسات اور اشعار بھی انہوں نے یاد رکھے تھے۔ اس حوالے سے بھی اکثر دلچسپ گفتگو فرماتے۔ افسوس ایک ایسا سدابہار رُخ خندہ دوست ہم سے بچھڑ گیا جس کا نعم البدل اور اس کا ہم مثل ڈھونڈے سے بھی اب ہم کو ملنے والا نہیں۔